اقبال اور تصوف

محمد یوسف صابر ☆

Abstract:

Iqbal was originated with the spiritual and mystic aspect of life .He was brought up in a purely mystic environment .His father sheikh noor Muhammad was a pious man and he used to hold mystical gatherings at his home. Such an environment left deep effect on Iqbal, s life. Before proceeding to Europe for modern education he went to the tomb of Khawja Nizam-u-din Aulia to pay homage. He selected the topic of Iranian metaphysics for his Ph.D. thesis. His father as well as his teachers in Europe believed in the philosophy of wahdat-ul-wujood. Therefore naturally his bent of mind was like wise but afterwards being impressed with the teachings of Mujaddid Alf Sani he upheld the idea of wahdat-ul-shahood. His ideology of "The Self" is purely based upon this doctrine.Some anti-Sufism scholars thought that Iqbal was against Islamic mysticism but in fact he wanted reconstruction in the existing system of mysticism of Islam.

Key Words:

Mystic aspect, Mystical environment, Iranian metaphysics, Wahdat-ul-wujood, Wahdat-ul-shuhood, Mysticsim.

شعائر حقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنا، تمام لذتوں کو ترک کر کے حق تعالیٰ سے مشغول ہونا اور دل کی صفائی حاصل کرنا تصوف کہلاتا ہے۔

☆ سابق صدر شعبہ اردو، ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، فیصل آباد

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

لفظ تصوف اگرچہ بعد کی ایجاد ہے مگر اصل اور روح اتنی ہی قدیم ہے جتنا کہ اسلام۔ جس طرح علم تفسیر، علم حدیث اور علم فقہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھے مگر مرتب بعد میں ہوئے اسی طرح تصوف تو اس وقت بھی موجود تھا۔ علم تصوف کی ترتیب وتدوین بعد میں ہوئی۔

تصوف۔ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے مجموعہ کا نام ہے۔ شریعت ایک نسخہ ہے اس پر اخلاص سے عمل کرنا طریقت کہلاتا ہے۔ اس عملِ اخلاص کے راز کو حقیقت اور اس راز کی آگاہی کو معرفت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱)

یہ چاروں اصل میں ایک ہی ہیں اور شریعت ہر حالت میں ساتھ رہتی ہے۔ تصوف پر عمل پیرا ہونے والے کو صوفی کہتے ہیں۔

صوفی طریقت میں اپنے مرشد کامل کی زیر نگرانی اس کے فیض صحبت سے طریقت میں سفر کرتے ہوئے حقیقت اور پھر معرفت میں پہنچتا ہے اس طرح وہ متعدد لطائف، دوائر اور مقامات کو طے کرتا ہوا مقام عبدیت تک پہنچتا ہے جو تصوف میں بلند ترین مقام ہے۔

عام طور پر اقبال کو ایک فلسفی ہی خیال کیا جاتا ہے لیکن بہ نظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال ایک فلاسفر سے زیادہ صوفی ہیں دراصل فلسفہ عقل، علم اور خبر تک محدود ہے جبکہ تصوف قلب ونظر کی وسعتوں تک وسیع ہے۔ فلسفہ صرف اس مادی دنیا سے بحث کرتا ہے جو حواس خمسہ سے معلوم ومحسوس کی جاسکتی ہے لیکن جہاں حواس خمسہ کی حدود ختم ہو جاتی ہیں تصوف کا سفر وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ فلسفہ تعقل وتفکر کے گھوڑے دوڑاتا ہے لیکن منزل تک پہنچنے کی بجائے صحرائے حیرت میں کھو کر رہ جاتا ہے جبکہ تصوف مشاہدہ کے رہوار پر سوار ہو کر تجلی ذات کے مزے لوٹتا ہے۔ فلسفہ کا مرکز عقل ہے جس کا کام محض سوچتے رہ جانا ہے اور تصوف کا مدار عشق پر ہے جو کر گزرتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

فلسفہ بے عملی اور جمود کو جنم دیتا ہے جب کہ تصوف تحریک وعمل کا علمبردار ہے اور قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دیتا ہے غرضیکہ ہر اعتبار سے تصوف فلسفہ سے بہتر ہے

اقبال نے تصوف اور فلسفہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور ان کے واضح فرق کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ''عشق تمام مصطفی ﷺ عقل تمام بولہب'' اسی لیے وہ اپنی تعلیمات

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میں فلسفہ وعقل کی بجائے تصوف وعشق کو دعوت دیتے نظر آتے ہیں وہ چونکہ ان دونوں کے مقام ومرتبہ سے اچھی طرح واقف ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ انہیں آپس میں گڈ مڈ نہیں کرتے اور جب وہ بعض متصوفین کو دیکھتے ہیں کہ وہ تصوف کو فلسفہ کے مقامِ پست کی طرف لا رہے ہیں تو وہ ان کے خلاف بھرپور آواز بلند کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ 17 مئی 1919ء کو مولانا اسلم جیراج پوری کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم اس کا قرون اولی میں لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالی کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔''(۲)

حیات اقبال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کو تصوف سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان کی آنکھ صوفیانہ ماحول میں کھلی۔ ان کے والد شیخ نور محمد صاحب آوان شریف ضلع گجرات کے ایک مشہور بزرگ حضرت قاضی سلطان محمود قادری سے بیعت تھے جب اقبال سنِ شعور کو پہنچے تو وہ بھی والد صاحب کے کہنے پر آپ ہی کے بیعت ہو گئے۔

اقبال کے گھر ذکر وفکر کی محفلیں باقاعدگی سے منعقد ہوتیں۔ چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں۔ ''چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان (حضرت محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم) کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی برسوں تک دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں ہوتا رہا گو بچپن میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفل درس میں ہر روز شریک ہوتا تھا''(۳)

بچپن میں درس تصوف کے ساتھ ساتھ اقبال نے اپنے والد ماجد کی بہت سی کرامات کا مشاہدہ بھی کیا جس نے ان کے دل ودماغ پر بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ عطیہ فیضی جو دور طالب علمی میں ایک عرصہ تک علامہ اقبال کے قریب رہیں لکھتی ہیں:

''ان کی افتادِ طبیعت کی تشریح کرنے کی غرض سے میں اقبال کے بچپن کا ایک واقعہ بیان کروں گی جس نے ان کے خیالات کی رو پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے ان نفسیاتی پہلوؤں کو اپنے والد کی تعلیمات کا نتیجہ سمجھتے تھے ان کو علم حاصل کرنے کا شوق بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا اور اس مقصد کے لیے ان کے والد نے ایک خدا رسیدہ بزرگ کے زیر ہدایت اعتکاف میں چند مہینے بسر بھی کیے تھے اور جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا اسے انہوں نے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اپنے نوعمر بیٹے کو منتقل کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ ابھی اعلیٰ روحانی علوم قبول کرنے کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے پوری طرح تیار نہ تھے۔ بیج موجود تھا اور اس کی آبیاری خود اقبال نے کی اور نتیجہ نے ظاہر کر دیا کہ یہ عمل دانش مندانہ تھا یا غیر دانش مندانہ۔ ان واقعات کی روشنی میں ہر شخص انہیں بہتر طریقہ سے سمجھ سکتا ہے اور ان بہت سے خیالات سے واقف ہو سکتا ہے جو بظاہر مبہم نظر آتے ہیں۔"

اس سے آگے وہ ایک طویل واقعہ لکھتی ہیں جس میں اقبال کے والد ماجد نے کابل کے ایک لاعلاج مریض کو اپنے روحانی علاج سے شفایاب کیا تھا۔ (۴)

علامہ اقبال نے ابن عربی کی تصانیف کے علاوہ مولانا جلال الدین رومی کی مثنوی معنوی کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ ابن عربی کی نسبت رومی کے انداز فکر نے انہیں زیادہ متاثر کیا یہاں تک کہ اقبال نے رومی کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کرتے ہوئے ان سے بے پناہ فیض حاصل کیا۔ وہ رومی کے فیوض و برکات کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

(پیر رومی نے میری خاک کو اکسیر کر دیا اور میرے غبار سے لاتعداد جلوے بنا ڈالے)

جاوید نامہ میں اقبال پیر رومی کی رہنمائی میں عالمِ افلاک کی سیر کرتے ہیں اور پیر رومی ان پر مختلف اسرار و رموز کی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ اس کتاب میں اقبال پر پیر رومی کے روحانی فیوض و برکات کا اثر سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔

جاوید نامہ کے علاوہ بھی اقبال کے نظریات میں فکرِ رومی کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ رومی عظمتِ انسان کا تذکرہ کرتے ہیں تو اقبال بھی ایک ایسے انسان کامل کے روپ میں نظر آتے ہیں جو دین آمیز عقل اور پاکباز عشق کے امتزاج سے مزین ہو۔ اقبال نے انسان کی عظمت کو نئے انداز و اسلوب میں پیش کیا ہے اس کے نظریہ خودی کے خمیر میں رومی کے نظریہ عظمتِ انسان کے اجزاء بھی شامل ہیں۔

اقبال نظریہ وطنیت میں بھی رومی کے پیروکار نظر آتے ہیں۔ رومی کی طرح وہ بھی ملت کی بنیاد وطن کی بجائے کلمہ لاَ اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ مُحمدٌ رسول اللّٰہ پر رکھتے ہیں۔

رومی پیر کی اہمیت و عقیدت پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پیر را بگزیں کہ بے پیرایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

(پیر کے بغیر زندگی کے سفر میں بہت سی آفات وخطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے کسی پیر کامل کا دامن ضرور تھام لیں۔)

اقبال بھی پیر کی اہمیت اسی انداز میں کرتے ہیں:

کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بوسہ زن برآستان کا ملے

(اپنی مشت خاک کو کیمیا بنانے کے لیے کسی مرشد کامل کے آستانے پر بوسہ دینا ضروری ہے)

اہل تصوف اولیاء کاملین کے مزارات پر حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مزار پر انوار سے مستفید ہوئے حضرت داتا گنج بخش اور حضرت ابوالحسن خرقانی نے حضرت بایزید بسطامی کے مزار پر انوار سے فیض حاصل کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی کی حضرت داتا گنج بخش اور حضرت امام شافعی کی امام ابوحنیفہ کے مزار گوہر بار پر حاضری کی مثالیں زبان زد خاص وعام ہیں۔ اقبال نے بھی لاتعداد اولیائے کاملین کے آستانوں پر حاضری دی۔ جن میں حضرت داتا گنج بخش، حضرت میاں میر، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت مجدد الف ثانی اور حکیم سنائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے چند ایک کے مزار پر حاضری اور فیض حاصل کرنے کا مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے۔

اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جاتے ہوئے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے دربار پر حاضر ہوئے اور ان کے حضور عرض پرداز ہوئے:

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شراب علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفتِ مہر ہوں زمانے میں
تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
مقام ہمسفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزل مقصود کارواں مجھ کو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر
تری جناب سے ایسی ملے فغاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے(۵)

حیات اقبال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کی یہ التجا کس طرح حرفاً حرفاً پوری ہوئی۔

ایک مرتبہ علامہ اقبالؔ اپنے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی کسی مصیبت پر سخت پریشان ہو گئے تو انہوں نے ایک طویل نظم دربار نظام الدین اولیاء میں بھجوائی۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائے:

ہند کا داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے
کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار گوہر بار سے
اک نظر میں خسرو ملک سخن خسروؔ ہوا
میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے
سخت ہے میری مصیبت سخت گھبرایا ہوں میں
بن کے فریادی تری سرکار میں آیا ہوں میں
تو ہے محبوب الٰہی کر دعا میرے لیے
یہ مصیبت ہے مثال فتنہ محشر مجھے(۶)

اس استمداد کے نتیجے میں اقبال کی وہ مصیبت ٹل گئی تو علامہ اقبال کی حضرت محبوب الٰہی سے عقیدت اور گہری ہو گئی۔

اقبال کی حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر حاضری کا قصہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مجدد کے دربار شریف پر خود نہیں گئے بلکہ بھیجے گئے تھے:

دلِ مضطرب سے پوچھ اے رونقِ بزم
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

پروفیسر سید عبدالقادر (م۔1956ء) کا بیان ہے کہ علامہ اقبال نے خود ان سے فرمایا کہ حضرت قاضی سلطان محمود کے ارشاد کے مطابق وہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہوئے اور وہاں خواب میں ارشاد ہوا کہ تمہارا فیض حضرت مجدد کے پاس ہے چنانچہ علامہ اقبال سرہند پہنچے اور فیض یاب ہوئے۔ (۷)

علامہ اقبال نے مولانا محمد ہاشم جان سرہندی کو اپنی سرہند شریف میں پہلی حاضری کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی:

''ایک مرتبہ حافظ عبدالعلیم کے ہاں احباب کے ساتھ بسی گیا ہوا تھا واپسی پر سرہند پڑا تو احباب فاتحہ خوانی کے لیے حضرت مجدد کے مزار پر حاضر ہوئے۔ مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا۔ سب لوگ مراقب ہو گئے۔ میں بیٹھا رہا۔ اچانک مجھ پر رقت طاری ہو گئی لرزنے لگا اور تھوڑی دیر بعد بے ہوش ہو گیا جب سب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں ہوش میں آیا۔ اس روحانی تجربے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں۔'' (۸)

اس واقعہ کے بعد مجدد الف ثانی علامہ اقبال کی عقیدت کا مرکز ومحور بن گئے اور علامہ پر حضرت مجدد کے فیوض وبرکات کے دروازے کھل گئے۔

15 اکتوبر 1924ء کو جب جاوید اقبال پیدا ہوئے تو علامہ اقبال نے منت مانی کہ جب وہ بڑے ہو جائیں گے تو انہیں مجدد کے مزار مبارک پر پیش کریں گے۔ چنانچہ آپ 29 جون 1934ء کو سرہند شریف حاضر ہوئے۔ اس حاضری کی وجہ منت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ ایک غیبی اشارہ بھی تھا۔ چنانچہ وہ خود سید نذیر نیازی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جا رہا ہوں چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔

''ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ خدا تعالیٰ تم پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔''

پیغام دینے والا معلوم نہ ہو سکا کہ کون ہے اس خواب کی بناء پر وہاں کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہو گا تو اسے حضرت مجدد کے مزار پر لے جاؤں گا۔ وہ بھی ساتھ جائے گا تاکہ عہد پورا ہو جائے۔ (۹)

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اس حاضری کے بعد ایک مدت تک اقبالؔ پر ایک خاص کیفیت طاری رہی اور اقبال نے اپنے قریبی رازداروں کو ان کیفیات سے آگاہ بھی کیا چنانچہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے سامنے اقبال نے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق نے میرے لیے مزار مبارک پر تخلیہ کرا دیا تھا۔ میں ایک گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد کی روح میری طرف محبت آمیز رنگ میں متوجہ رہی۔ مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرما رہے ہیں کہ تمھاری دینی خدمات سرکار عالم ﷺ کی بارگاہ میں مقبول ہو گئی ہیں۔ آنحضور ﷺ کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے۔ میرے قلب میں سوز و گداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہو سکتا۔ اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصان خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضور انور ﷺ کے روضہ مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے رقت کا عالم برابر طاری رہا۔ زمان و مکان کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ روحانی فیض میرے رگ و پے میں جاری تھا۔ دل میں اس قدر وسعت کہ ساری کائنات اسی میں سما گئی۔''(۱۰)

ڈاکٹر مسعود احمد کا خیال ہے کہ ضربِ کلیم 1935ء میں اسی تجربے کی بنا پر اقبال نے کہا ہے کہ:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق(۱۱)

اسی حاضری کے بعد اقبال نے وہ مشہور نظم کہی جو بال جبریل میں ''پنجاب کے پیرزادوں کے نام'' کے عنوان سے شامل ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشور پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلہِ فقر سے ہو طرۂ و دستار
باقی کلہ فقر سے تھا ولولہ حق
محرومی نے چڑھایا نشۂ خدمت سرکار

بال جبریل ہی میں ایک اور جگہ حضرت مجدد الف ثانی سے یوں استمداد کرتے ہیں:

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

میاں بشیر احمد کے استفسار پر خود اقبال نے بتایا کہ اس نظم میں ساقی سے مراد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہے۔ (۱۲)

خواجہ نظام الدین اولیاء اور حضرت مجدد الف ثانی کے علاوہ بھی اقبال نے بہت سے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دی اور فیض حاصل کیا۔ وہ والئی افغانستان خان حبیب اللہ خان کی دعوت پر افغانستان گئے تو حکیم سنائی کے مزار پر حاضر ہوئے۔ حکیم سنائی کا فیض ان کے کلام سے عیاں ہے۔ شیخ محمود شبستری سے تو اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی کتاب گلشن راز کی طرز پر انہوں نے اپنی مثنوی ''گلشن راز جدید'' لکھی۔ (۱۳)

اسلاف کی قبور پر حاضری دینے کے علاوہ انہوں نے اپنے دور کے صوفیہ سے بھی استفادہ کیا اقبال کے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہم عصر صوفیہ میں سے جن بزرگوں کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے یا خط وکتابت سے فیض حاصل کیا ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ قاضی سلطان محمود قادری، سید بابا تاج الدین ناگپوری، پیر غلام حیدر شاہ علی پوری، میاں شیر محمد شرقپوری، مولانا انور شاہ کشمیری، سید سلمان ندوی، سید سلیمان اشرف خلیفہ، مولانا احمد رضا خان بریلوی، شاہ سلیمان پھلواری اور خواجہ حسن نظامی۔

علامہ اقبالؔ پہلے وحدۃ الوجود کا مسلک رکھتے تھے۔ بعد میں وحدۃ الشہود کے قائل ہو گئے۔ وحدۃ الوجود کے بانی شیخ محی الدین ابن عربی ہیں۔ وحدۃ الوجود والوں کے نزدیک خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ بھی موجود نہیں اور یہ کثرت جو نظر آتی ہے محض ان اعیان ثابتہ کا عکس ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے قبل اکثر صوفیہ وحدۃ الوجود ہی کے قائل رہے ہیں۔

وحدۃ الشہود کا نظریہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا۔ اس نظریہ کے ماننے والے ممکن (مخلوق) کو واجب (خالق) کا عین نہیں مانتے۔ اسی لیے "وہ ہمہ اوست" کی بجائے "ہمہ از اوست" کے قائل ہیں۔

سادہ لفظوں میں ان دونوں نظریات کا فرق بقول مجدد الف ثانی یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی سالک کا مشہود سوائے ایک کے کوئی اور نہ ہو۔ اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا ہے۔ (۱۴)

علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد اور ان کے پیر و مرشد قاضی سلطان محمود وحدۃ الوجود کے قائل تھے ان کے گھر میں وحدۃ الوجود کے بانی حضرت ابن عربی کی کتب کا باقاعدہ درس ہوتا تھا اور اقبال اس میں شریک ہوتے۔ اس ماحول کے نتیجے میں اقبالؔ نے بھی ابتداء میں وجودی مسلک اختیار کیا۔ جب وہ اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے تو وہاں کے فلسفیوں سے واسطہ پڑا۔ وہ تمام بھی وجودی مسلک رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لئے ایران کے فلسفہ مابعد الطبعیات کا عنوان اپنایا۔ اس مقالہ کے سلسلے میں انہوں نے شیخ شہاب الدین سہروردی، امام غزالی، داتا گنج بخش، خواجہ گیسو دراز، میر جرجانی، عزیز الدین نسفی۔ ابن عربی اور خواجہ حافظ شیرازی کی کتب کا مطالعہ کیا۔

وطن واپسی پر انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے مزار پر حاضری دی اور ان کے مکتوبات کا مطالعہ کیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے اقبالؔ میں ذہنی انقلاب بپا ہو گیا اب وہ حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کے قائل ہو گئے۔ اقبالؔ کی اس فکری تبدیلی نے ان کے انگریز اساتذہ کو حیرت میں ڈال

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

دیا۔ تین چار سال کے اندر اندر اتنا عظیم انقلاب آجانا یقیناً حیرت انگیز ہے۔ چنانچہ اسرار خودی کے شائع ہونے کے بعد اقبال کے اساتذہ فلسفہ میگ ٹیگرٹ نے ان کو لکھا:

''طالب علمی کے زمانے میں تو تم زیادہ تر ہمہ اوستی معلوم ہوتے تھے اب معلوم ہوتا ہے کہ ادھر سے ہٹ گئے ہو۔''(۱۵)

خود اقبال نے اپنی اس ذہنی تبدیلی کا تذکرہ 30 دسمبر 1915ء کو خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے میرا فطری اور آبائی میلان (وحدۃ الوجودی) تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے کے بعد یہ میلان اور بھی تیز ہو گیا تھا۔ کیونکہ فلسفہ یورپ بحیثیت مجموعی وحدۃ الوجود کی طرف رخ کرتا ہے مگر قرآن پر تدبر کرنے اور تاریخ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا۔''(۱۶)

اقبال کے فکری ارتقاء میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا بہت بڑا حصہ ہے قبل ازیں وہ رومی سے بھی صرف اس لیے متاثر تھے کہ انہوں نے قرآنی تعلیمات کو ایک خاص شاعرانہ انداز سے اپنی مثنوی میں بیان کر دیا تھا۔ اسی لیے یہ کہا گیا ہے کہ:

مثنویٔ مولویٔ معنوی

ہست قرآن در زبان پہلوی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی تعلیمات کو مشاہداتی انداز میں اپنے مکتوبات میں بیان فرمایا ہے۔ اسی لیے اقبال ان سے بہت متاثر ہوئے۔ حضرت مجدد کے مکتوبات کے مطالعہ سے ان پر تفہیم قرآن کی راہیں کھل گئیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان امور کا مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے جن میں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل بڑی بڑی اصلاحات کی تھیں:

(۱) نظریہ وحدۃ الشہود پیش کیا۔

(۲) شریعت و طریقت میں مطابقت پیدا کی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

(۳) نماز کی اہمیت پر زور دیا اور رقص وموسیقی کی تردید کی۔

اقبالؔ نے بھی اپنی فکر رسا کے ذریعے انہی اصلاحات پر زور دیا ہے۔

نظریہ وحدۃ الشہود کے خمیر سے انہوں نے اپنے نظریہ خودی کی تخلیق کی۔

1908ء میں انگلستان سے واپسی پر اقبالؔ نے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف کا مطالعہ کیا اور متاثر ہوئے۔ اور اسی تاثر کا نتیجہ ہے کہ اقبال نے 1912ء میں اپنا تصور خودی پیش کیا۔ شمع و شاعر (1912ء) وہ پہلی نظم ہے جس میں یہ تصور ملتا ہے۔ اس سے پہلے وہ وجودی نظر آتے ہیں لیکن سن مذکور کے بعد سے شہودی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ ایک نیا انداز فکر لے کر ابھرتے ہیں اور اسی فکر نو کو مثنوی اسرار خودی (1918ء) میں باقاعدہ پیش کرتے ہیں۔

بعض متصوفین شریعت اور طریقت کو ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ خیال کرتے تھے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

''شریعت وطریقت ایک دوسرے کے عین ہیں اگر دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حقیقت الحقائق تک ابھی رسائی نہیں ہوئی۔''(۱۷)

اقبال نے شریعت وطریقت کے ایک ہونے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

''حدود خودی کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں سے محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔''(۱۸)

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی اہمیت اور رقص وموسیقی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

''نماز کی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر بکثرت مشائخ، سماع ونغمہ اور وجد وتواجد میں تسکین اضطراب کو تلاش کرتے ہیں۔ لیکن اگر نماز کے کمالات کی حقیقت سے وہ ذرہ برابر بھی واقف ہوتے تو ہرگز ہرگز نہ سماع ونغمہ سنتے اور نہ وجد وتواجد کرتے۔''(۱۹)

علامہ اقبالؔ اسی بات کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

''اسلامی تصوف نے اس خیال سے کہ ہمارے مشاہدات میں جذبات کی آمیزش نہ ہونے پائے موسیقی تک کو عبادت میں جگہ نہیں دی۔ بعینہ اس نے صلوۃ باجماعت پر زور دیا۔''(۲۰)

30 دسمبر 1915ء کو اقبال ایک خط میں خواجہ حسن نظامی کو لکھتے ہیں:

''حضرت امام ربانی نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گستنؔ اچھا ہے یا پیوستن

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

میرے نزدیک گستن عین اسلام ہے ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور میں اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں آپ کو یاد ہوگا جب آپ نے مجھے سر الوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سر الفراق کہا جائے اس وقت بھی میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے آپ کے تصوف کی اصطلاحات میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا:

''شان عبدیت انتہائی کمال روح انسانی کا ہے اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں۔''(۲۱)

اقبال کے اس مذہب کی بنیاد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کشف صحیح پر ہے:

''مقام عبدیت ولایت کے تمام مقامات کی انتہا ہے''(۲۲)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشائخ طریقت کو نظریاتی طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا تھا۔

۱۔ طائفہ اولی: جو اس بات کے قائل ہیں کہ مخلوقات اللہ تعالی کے بنانے سے خارج میں اپنا وجود رکھتی ہیں۔

۲۔ طائفہ دوم: جو مخلوقات کو اللہ تعالی کا سایہ جانتے ہیں۔

۳۔ طائفہ ثالث: جو اس بات کے قائل ہیں کہ وجود صرف اللہ تعالی کا ہے اور مخلوقات خارج میں وجود نہیں رکھتیں۔

دوسرے لفظوں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلا طبقہ عبدیت کا قائل ہے دوسرا ظلیت کا اور تیسرا وجودیت کا۔

اقبال نے ان تینوں طبقات یا نظریات کو ''شاہد'' سے تعبیر کیا ہے۔ وہ شاہد، جو وجود و عدم کی شہادت دیتا ہے۔ البتہ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی ترتیب کو الٹ دیا ہے۔ یعنی تیسرے طبقے کو شاہد اول اور پہلے طبقے کو شاہد ثالث قرار دیا ہے۔

زندہ ای یا مردہ ای یا جاں بلب
از سہ شاہد کن شہادت را طلب
شاہد اول شعور خویشتن!
خویش را دیدن بنور خویشتن
شاہد ثانی شعور دیگرے !

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

خویش را دیدن بنور دیگرے

شاہد ثالث شعورِ ذات حق

خویش را دیدن بنورذات حق

ترجمہ: تو زندہ، مردہ یا حالت نزع جس حالت میں بھی ہو، مندرجہ ذیل تین شواہد سے شہادت حاصل کر۔

شاہداول: اپنی ذات کا شعور جس میں اپنی ذات کو اپنے نور سے دیکھا جاتا ہے

شاہد ثانی: کسی دوسرے کا شعور جس میں اپنی ذات کو دوسرے کے نور سے دیکھا جاتا ہے۔

شاہد ثالث: ذات حق کا شعور جس میں اپنی ذات کو اللہ تعالی کے نور سے دیکھا جاتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس شاہد ثالث یا طائفہ ثالث کے متعلق فرماتے ہیں

''اس بلند طائفہ کو مقامِ عبدیت (جو وجود ولائت کے جملہ مقامات کی انتہا ہے) سے پورا پورا حصہ ملتا ہے۔''(۲۳)

یہ وہی مقام ہے جس کو اقبال اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور انتہائی کمال انسانی کہتے ہیں۔

اقبالؔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تصور عبدیت یا تصور وحدۃ الشہود سے بے حد متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا نظریہ خودی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تصور عبدیت ہی کی دوسری شکل ہے۔ دونوں تصورات میں ناموں کے علاوہ کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

اقبالؔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو حرکی (DYNAMIC) قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ مرزا عبدالقادر بیدلؔ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیدلؔ کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے۔ نقشبندی مسلک حرکت اور رجائیت پر مبنی ہے مگر چشتی سلسلے میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقۂ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود ہے مگر ہندوستان سے باہر افغانستان بخارا، ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے۔''(۲۴)

طریقت کے تمام سلاسل میں بیعت کا نظام رائج ہے یہ بیعت درحقیقت بالواسطہ طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہوتی ہے۔ اس سلسلے کی تمام کڑیاں ذہن میں تازہ کرنے کے لیے عام طور پر شجرہ شریف کا ورد کیا جاتا ہے۔ جب سالک کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق عشق کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی بیعت اگرچہ بالواسطہ ہوتی ہے لیکن وہ براہِ راست بھی فیض حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تصوف اسلامی میں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

عشق مصطفی ﷺ کو ارتقائے منازل اور معراج کمالات کے لیے بنیادی عامل سمجھا جاتا ہے۔

اقبالؔ چونکہ حقیقی اسلامی تصوف پر عمل پیرا تھے اس لیے وہ عشق مصطفے ﷺ پر بے انتہا زور دیتے ہیں:

ہر کہ عشق مصطفےٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشہ دامانِ اوست
سوز صدیق و علی از حق طلب
ذرہ عشق نبی از حق طلب
زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

اقبال کے نزدیک ذات مصطفی ﷺ سے محبت کیے بغیر کوئی شخص نہ کامل مومن ہوسکتا ہے اور نہ ہی اس کا عقیدہ توحید پختہ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اصل کائنات اور مقصود کائنات آپ ہی کی ذات ہے اور آپ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا فرماتے ہیں:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

اقبالؔ نیاز الدین خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔ اس واسطے میں خاموش رہتا ہوں۔''(۲۵)

قصہ کوتاہ اقبال نے اگرچہ نہ تو صوفی کا لقب اختیار کیا اور نہ صوفیوں کی سی وضع قطع اختیار کی لیکن انہوں نے قلب ونظر کی گہرائیوں سے تصوف کا مشاہدہ کیا اور حقیقی اسلامی تصوف کو عام کرنے کے لیے اپنی زبان وقلم

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کووقف کر دیا۔

بعض لوگ تصوف کے قائل نہیں اس لئے وہ اسے خلاف اسلام قرار دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ انہیں مبارک۔ کسی بھی قسم کا عقیدہ رکھنے کا انہیں اختیار ہے۔ لیکن تصوف کا حلیہ بگاڑنے اور تصوف کو اپنے عقائد سے ہم آہنگ کرنے کا بہرحال انہیں اختیار نہیں۔ انہیں یہ بھی اختیار حاصل نہیں کہ چودہ سو سالہ تاریخ پر توحید کے نام پر پانی پھیر دیں اور اسے ''اسلامی خدمت'' قرار دیں۔

حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی ایک انتہائی سربرآوردہ شخصیت تھے۔ انہوں نے ساٹھ سے زیادہ کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر سواد اعظم کے عقائد اور تصوف سے متعلق تھیں۔ خصوصاً فیوض الحرمین، القول الجمیل، الدر الثمین، انفاس العارفین اور القول الجلی وغیرہ کتب ان کے عقائد اور تعلیمات کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں۔

بعض محققین نے انہیں نہ صرف خالصتاً سیاسی شخصیت کے انداز میں پیش کیا بلکہ انہیں تحریک وہابیت سے متاثر قرار دے دیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے تحقیقات کے ساتھ ساتھ تحریفات سے بھی کام لیا۔ چنانچہ مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی نے اپنی کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان'' میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات کے عنوان سے ایک دردانگیز مضمون لکھا اور کہا کہ ان حضرات کی تالیفات کی کمیابی اور نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ مولانا برکاتی کے بقول شاہ صاحب کی مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنی مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی۔ (۲۶)

ان گمشدہ بلکہ گم کردہ کتابوں میں ایک ''القول الجلی'' مخطوطہ 1229ھ ہے جو حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہ کے ملفوظات ہیں اور یہ شاہ صاحب کے خلیفہ مجاز شاہ عاشق پھلتی کی تصنیف ہے۔ اس کا تذکرہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے ابجد العلوم اور مولوی رحمان علی نے تذکرہ علمائے ہند میں کیا اور اس کتاب سے استفادہ بھی کیا۔ لیکن بعد میں نہ صرف ان کے کتب خانوں بلکہ ہندوستان کے کم وبیش تمام کتب خانوں اور لائبریریوں سے غائب کر دی گئی۔ اور تقریباً ایک صدی تک گم رہی۔ اتفاق سے مولانا حافظ تقی انور کاکوروی کو اس کا ایک نسخہ خانقاہ کاظمیہ کاکوروی کی لائبریری سے دستیاب ہو گیا۔ جو بقول ان کے اس لیے محفوظ رہا کہ یہ لائبریری غیر معروف تھی۔ مولانا حافظ تقی انور کاکوروی نے اس کا اردو ترجمہ کر کے 1988ء میں اسے شائع کیا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اسی طرح کی ایک اور ''اسلامی خدمت'' میاں طفیل محمد نے کی۔ انہوں نے کشف المحجوب کا ترجمہ کیا اور اس کی وہ عبارات حذف کر دیں جو ان کے عقائد کے خلاف تھیں۔ انہوں نے دیباچہ میں بڑے فخر کے ساتھ تحریر فرمایا:

> ''مسائل کی صوفیانہ توجیہات کو میں نے چھوڑ دیا ہے اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دیا ہے جو پرانے اسلوب نگارش کا حصہ تو ہیں لیکن اصل مضمون اور مقصود بیان سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں۔ (۲۷)

یہاں یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ تصوف کی کتاب سے صوفیانہ توجیہات اور وہ مضامین نکال دینے کے بعد، جن کا تعلق مترجم کے متعین کردہ ''اصل مضمون'' اور ''مقصود بیان'' سے نہیں تھا، کشف المحجوب کے ترجمہ میں باقی کیا بچا ہوگا۔

اس ''اسلامی خدمت'' سے اقبال بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ اقبال، جنہوں نے تصوف کے ماحول میں آنکھ کھولی، معروف اولیاء اللہ اور صوفیاء سے اکتساب فیض کیا۔ یورپ میں جا کر ایرانی تصوف پر تحقیقی مقالہ مرتب کیا ساری زندگی حقیقی تصوف (اخلاص فی العمل) کی ترویج کرتے رہے اور جعلی صوفیہ اور تصوف کے نظریاتی مخالفین کے خلاف جہاد کرتے رہے، انہیں تصوف کا مخالف ظاہر کرنے کے لیے ان کی تحریر میں تحریف کی گئی:

> علامہ اقبال نے 13 نومبر 1917ء کو سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط میں لکھا کہ:
>
> ''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوفِ وجودی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی۔'' (۲۸)

شیخ عطاء اللہ نے اقبال نامہ میں اس خط کو شامل کر کے شائع کیا تو عبارت اس طرح کر دی:

> ''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود ہی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب وہوا میں پرورش پائی ہے۔'' (۲۹)

اس جملے میں تصوف کے بعد ''کا'' کا اپنی طرف سے اضافہ اور وجودی کی ''ی'' کو ''ہی'' سے بدل دیا۔ اس طرح ''تصوفِ وجودی'' بدل کر ''تصوف کا وجود ہی'' بنا دیا گیا۔

ہم نہیں کہتے کہ شیخ عطاء اللہ نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے سہواً یا غلطی سے ایسا کر دیا ہو۔ لیکن اس لفظی تحریف سے تصوف کے مخالفین کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار آ گیا۔ جس نے اقبال کی زندگی کے ایک اہم شعبہ کو الٹ کر رکھ دیا۔ اقبال کے اُس خط کا عکس ملاحظہ فرمائیں:

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کلیاتِ مکاتیب اقبال۔ ۱

اس ایک لفظی تحریف سے اقبال کو تصوف مخالف کہا جانے لگا۔ حالانکہ وہ تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ میں نے اسرار خودی کا فلسفہ بھی مسلمان صوفیہ اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے اخذ کیا ہے۔ وہ 24 جنوری 1921ء کو ڈاکٹر نکلسن کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

''میں نے اسرار خودی پر چند تشریحی نوٹ لکھے تھے جنہیں آپ نے دیباچہ اسرار میں شامل کر لیا ہے۔ ان تفسیری حواشی میں میں نے مغربی مفکرین کے افکار و عقائد کی روشنی میں اپنی حیثیت حتمی طور پر واضح کی ہے۔ یہ طریق محض اس لیے اختیار کیا گیا ہے۔ تاکہ انگلستان کے لوگ میرے خیالات بآسانی سمجھ لیں ورنہ قرآن حکیم صوفیائے کرام اور مسلمان فلسفیوں کے افکار سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ابن عربی اور عراقی (وحدۃ الوجود) واحد محمود (کثرت وجود) الجیلی (انسان کامل کا تصور) اور مجدد سرہندی (ذات بشر پہ تعلق ذات کا حق)۔ چنانچہ میں نے اسرار کے پہلے ایڈیشن میں بزبان اردو جو دیباچہ لکھا ہے اس میں یہی طریق استدلال اختیار کیا گیا ہے۔ میرا دعوی ہے کہ اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیہ اور حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے۔ اور تو اور وقت کے متعلق برگساں کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں''(۳۰)

اقبال صوفیہ کی طرح باقاعدہ ذکر و اذکار کیا کرتے تھے اور درود شریف کی کثرت ان کا معمول تھی چنانچہ مشہور صحافی م۔ش نے لکھا کہ 1937ء کی گرمیوں میں ڈاکٹر عبدالحمید ملک نے علامہ اقبال سے پوچھا کہ آپ حکیم الامت کیسے بنے تو انہوں نے جواب دیا:

''میں نے گن کر ایک کروڑ مرتبہ درود شریف کا ورد کیا ہے۔''(۳۱)

اسی طرح ایک مرتبہ علامہ نے ڈاکٹر رؤف یوسف (لاہور) کو بتایا کہ میرا معمول ہے میں روزانہ دس ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتا ہوں۔(۳۲)

یہ ان کے والد گرامی اور دیگر صوفیہ کی محبت کا اثر تھا کہ وہ درود شریف اور دینی علوم کی تعلیم کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ 8 دسمبر 1919ء کو وہ اپنی چھوٹی بہن کریم بی بی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مسلمان کی بہترین تلوار دعا ہے، سو اسی سے کام لینا چاہیے۔ ہر وقت دعا کرنا چاہئے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے۔ کیا عجب کہ اللہ تعالی اس امت کی دعا سن لے اور اس کی غریبی پر رحم فرمائے۔''

''میں اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالی نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے۔ اگر یہ قوی دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول ﷺ کی میں کوئی خدمت کر سکتا۔ اور جب مجھے خیال آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے۔ کہ باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس پر چلنے نہ دیا۔

بہر حال جو کچھ خدا کے علم میں تھا ہوا اور مجھ سے بھی جو ہو سکا میں نے کیا۔ لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہئے تھا۔ اور زندگی تمام و کمال نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بسر ہونی چاہیے تھی۔''(۳۳)

اقبال تصوف کے صرف قائل ہی نہ تھے بلکہ تحریک تصوف کو پھیلانے کے خواہشمند بھی تھے۔ چنانچہ آپ نے محمد الدین فوق ایڈیٹر ''کشمیر گزٹ'' کو مشورہ دیا کہ تصوف کے متعلق ایک رسالہ طریقت کے نام سے جاری کیا جائے۔ اس رسالہ کا پہلا شمارہ اگست 1914ء میں شائع ہوا جس میں فوق نے اقبال کا ایک انٹرویو شامل کیا گیا۔ اس میں فوق نے اقبال سے تصوف سے متعلق متعدد سوالات کیے جن کے جوابات سے اقبال کے تصوف سے گہرے لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ اس انٹرویو میں آپ نے فرمایا کہ اہل تصوف خصوصاً ہندوستان کے صوفیاء عظام نے اسلام کو وہ رونق بخشی اور بجائے تیر و تلوار کے، محض حسن عمل اور اخلاق محمدی کے ذریعے، اس کی وہ اشاعت کی کہ ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ یقیناً ان ہی بزرگوں کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں۔

مسلمانوں کی اخلاقی زندگی پر صوفیہ کرام نے بہت بڑا اثر ڈالا۔ تمام ایسے اوصاف جو اخلاقی پہلو سے انسانیت کا خاصہ ہیں محض انہی بزرگوں کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہیں۔ انہوں نے انسانوں کو انسان اور پھر مسلمانوں کو مسلمان بنایا۔ صوفیوں کا گروہ پولیٹیکل معاملات سے ہمیشہ علیحدہ رہا ہے۔ تصوف کا مقصد تزکیہ نفس، اصلاح باطن اور نفس کشی ہے۔ اس لیے اس نے ملکی الجھنوں میں بہت کم بلکہ بالکل دخل نہیں دیا۔ البتہ بعض سلاطین کو جو اپنے شاہانہ فرائض سے غافل ہو کر فتنہ و فساد کا باعث ہوتے رہے ہیں تادیبی ہدایات فرماتے رہے ہیں۔ جیسا کہ تاریخوں کے مطالعہ اور صوفیاء کرام کے حالات سے اکثر ظاہر ہوتا ہے۔

اسلامی تصوف کی یہی تعلیم ہے کہ وہ دین کے ساتھ دنیا بھی رکھے اسلام رہبانیت کے خلاف ہے اور گھر بار اور اہل و عیال کو ترک کر کے جنگلوں اور بیابانوں میں زندگی بسر کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔ اسلامی تصوف

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ایسے لوگوں کو، جو صرف اپنی ذات کے لیے ہو، ایک بے فیض اور خشک چشمے سے تشبیہ دیتا ہے۔ بے شک یکسوئی حاصل کرنے کے لیے خلوت اور عزلت نشینی کی ضرورت ہے، لیکن تمام لوگ اس کے اہل نہیں ہوتے۔ دراصل ترکِ دنیا ایک بُرا نمونہ ہے اہل دنیا کے کاروبار کے لیے۔ بلکہ صریح خلاف ورزی ہے الٰہی قانون کی، جو انسانی نسل کے بڑھتے رہنے اور اس کے پھولنے پھلنے کا متمنی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ عرس کا مقصد تو دراصل یہ ہے کہ جس بزرگ کا عرس ہو اس کے سبق آموز حالات بیان کیے جائیں اور لوگوں کو اس کے اچھے عمل کی تقلید و پیروی کی ترغیب دی جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ موجودہ عرسوں کا بیشتر حصہ اپنے اصلی مقصد سے دور ہٹ چکا ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ اہل تصوف، خصوصاً ان بزرگوں کا جو صاحب اثر ہیں اور اپنے عقیدت مندوں کا بہت بڑا حلقہ رکھتے ہیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے معتقدوں اور ارادت مندوں کو اپنے اثر میں رکھیں اور ان کی زندگی کو مذہبی اور اخلاقی پہلو سے ایک کامیاب زندگی بنا دیں۔ سوشل ترقی کے لیے جدوجہد کرنا بھی ایک قسم کی بیداری ہے اور یہ بیداری جب کبھی ہوگی حضرات صوفیا کے پاک نفوس ہی سے ہو گی۔

اقبال نے فرمایا کہ میں کرامتوں کا قائل ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ پاک نفوس جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص دل اور خاص دماغ عطا کیا ہے اور جو تزکیہ نفس میں صاحب کمال ہیں، تیر از کمان جستہ اور آب از جو رفتہ واپس لا سکتے ہیں:

اولیا را ہست قدرت از الٰہ

تیر جستہ باز گردانند ز راہ

قبروں پر حاضری کے حوالے سے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اگر مراد اس سے قبر پرستی ہے یعنی صاحبانِ قبور سے حاجات طلب کی جائیں جس طرح خدا کو حاضر جان کر کی جاتی ہیں تو میں اس کے سخت خلاف ہوں بلکہ اس کو سخت گناہ سمجھتا ہوں اور اگر قبروں پر جانے سے مطلب فاتحہ پڑھنا، عبرت حاصل کرنا اور موت کو یاد رکھنا ہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ اس بات کا بھی قائل ہوں کہ قبرستان پر خصوصاً کسی صاحب دل کے مزار پر جانے سے صفائی باطن بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

ضرورت شیخ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پیر یا مرشد کی ضرورت ہے اس کے بغیر انسان کوئی صحیح اور

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کامل راستہ نہیں دیکھ سکتا۔ روحانی فائدہ تو ان بزرگوں سے صرف ان ہی لوگوں کو ہوگا جو اہل دل ہیں، جن کے دل میں درد ہے، جن کے قلب میں گرمی اور جن کی روح میں تڑپ ہے لیکن کم از کم اخلاقی فائدہ تو ہر مرید حاصل کر سکتا ہے۔ پیر کی محبت سے (بشرطیکہ پیر دنیا داری نہ کرتا ہو) ہر مرید اپنا اخلاق سنوار سکتا ہے اور جس کا اخلاق درست ہے، جس کے افعال ٹھیک ہیں اور جس کے اعمال، اعمال حسنہ کہے جاتے ہیں اس سے بڑھ کر اور کون بہترین انسان ہو سکتا ہے۔ (۳۴)

علامہ اقبال کے ان خیالات کو جاننے کے بعد کوئی اہل عقل وفہم آپ کو تصوف کا مخالف نہیں کہہ سکتا۔

♦♦♦

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

حوالہ جات

۱۔ نور احمد مقبول، چوہدری، خزینہ کرم، لاہور: مکتبہ حضرت کرمانوالہ، ص ۶۲۰

۲۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، حصہ اول، لاہور: شیخ محمد اشرف، ۱۹۴۵ء ص ۵۴۔ ۵۳

۳۔ بشیر احمد ڈار، انوار، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۷ء، ص ۸۷

۴۔ عطیہ فیضی، اقبال، کراچی: اقبال اکیڈیمی، ۱۹۵۶ء، ص ۱۷۔ ۱۶

۵۔ محمد اقبال، بانگ درا، لاہور: الفیصل شران وتاجران کتب، ۲۰۰۵ء، ص ۹۷

۶۔ عبدالواحد معینی، (مرتب) باقیات اقبال، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۶۶ء

۷۔ محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، پروفیسر، سیرت مجدد الف ثانی، کراچی: امام ربانی فاؤنڈیشن، ۲۰۰۵ء، ص ۳۶۷

۸۔ ایضاً، ص ۳۶۸

۹۔ نذیر نیازی، سید، مکتوبات اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۱۶۱

۱۰۔ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۳۷۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۷۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۷۱

۱۳۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال کے محبوب صوفیہ، کراچی: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۶۷ء، ص ۲۱۸

۱۴۔ شیخ احمد سرہندی، محمد سعید احمد نقشبندی (مترجم)، ترجمہ مکتوبات امام ربانی، حصہ اوّل، کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، ص ۸۳

۱۵۔ عبدالحکیم، خلیفہ، فکر اقبال، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۶۸ء، ص ۴۳۵

۱۶۔ سیرت مجدد الف ثانی، ص ۳۷۴

۱۷۔ مکتوبات امام ربانی، حصہ اوّل، مکتوب نمبر ۸۴

۱۸۔ عطاء اللہ، شیخ، اقبال نامہ، جلد اوّل، ص ۲۱۲

۱۹۔ مکتوبات امام ربانی، حصہ اوّل

۲۰۔ محمد اقبال، علامہ، سید نیاز نیازی (مترجم) تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، لاہور: بزم اقبال ۱۹۸۵ء

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

۲۱۔ سید مظفر حسین، برنی، کلیات مکاتیب اقبال، جلد اوّل، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء

۲۲۔ مکتوبات امام ربانی، جلد اوّل، مکتوب نمبر ۳۰

۲۳۔ ایضاً، مکتوب نمبر ۱۶

۲۴۔ محمود نظامی، ملفوظات اقبال، لاہور: اشاعت منزل، ۱۹۴۹ء، ص ۱۲۲

۲۵۔ نفیس الدین احمد، مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین خاں، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۵۴ء

۲۶۔ شاہ ابوالحسن زید فاروقی، مقدمہ القول الجلی، لکھنو: نامی پریس، ۱۹۸۸ء، ص ۳

۲۷۔ طفیل محمد میاں، (مترجم) کشف المحجوب، لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۶۶ء، ص ۲۸

۲۸۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتب اقبال، جلد اوّل، دہلی: اردو اکادمی دہلی، ۱۹۸۹ء

۲۹۔ اقبال نامہ، جلد اوّل، ص ۸۷

۳۰۔ سید مظفر حسین برنی، کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، لاہور: ترتیب پبلشرز، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۸

۳۱۔ رشید محمود، راجہ، درود وسلام، لاہور: ایوان درود وسلام، ۱۹۹۷ء، ص ۱۱۳

۳۲۔ دعوت تنظیم الاسلام، ماہنامہ: گوجرانوالہ، مارچ، ۱۹۹۰ء، ص ۶۷

۳۳۔ کلیات مکاتیب اقبال، جلد دوم، ص ۵۔ ۱۰۴

۳۴۔ محمد عبداللہ قریشی، حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، ص ۸۶۔ ۲۱۸

♦♦♦

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com